خطبات خواجہ شمس الدین عظیمی

عرس مبارک حضور قلندر بابا اولیائ2003 ئ

ACD 13

Track - 3

113:41

''ٹائم اینڈ اسپیس کی نفی کرنے کا طریقہ۔''

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(تلاوت قرآن کریم۔ لو انزلنا ھذالقرآن علی جبل......۔ سورۃ الحشر آخری رکوع)

عزیزان گرامئ قدر، محترم خواتین و حضرات ، پیارے دوستو، بزرگو، بھائیو، بچو، بچیو اور عظیمی خاندان کے چاند ستارو، آپ کے اوپر اللہ تعالیٰ کی سلامتی نازل ہو۔ آپ کو میرے انتظار میں کافی زحمت اٹھانا پڑی۔ دیر بھی کافی ہوگئی۔ مجھے اس بات کا احساس ہے۔ لیکن انتظامی مجبوریاں کچھ ایسی ہوتی ہیں کہ نہ چاہتے ہوئے بھی بہت ساری باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ وہ ہوجاتی ہیں۔ میں کوشش کروں گا کہ تھوڑے وقت میں اتنی باتیں عرض کردوں کہ آپ کا ذوق اور آپ کا شوق کی تسکین ہوجائے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے اور سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد حضور قلندر بابا اولیا کی طرف سے جو ڈیوٹی مجھے تفویض ہوئی ہے۔ میں اس کو پورا کرنے کا اہل ثابت ہوسکوں۔ عزیزان گرامئ قدر کل یہاں ورکشاپ کی مجلس کا انعقاد ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اور لوگوں کے ذوق و شوق سے پانسو سے زیادہ حضرات نے اس مجلس مذاکرہ میں شرکت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کے انعام سے مادر علمی بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی کے وائس چانسلر نے اس ورکشاپ کی نگرانی فرمائی۔ اور ورکشاپ کی کامیابی کا ہم سب کو مژدہ سنایا۔ یہ کائنات اور کائنات کی تمام مخلوقات اور مخلوقات کے تمام افراد کے بارے میں اگر کچھ کلام کیا جائے تو اس ایک بات کے علاوہ دوسری کوئی بات نہیں کہی جاسکتی کہ یہ ساری کائنات ایک علم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب اس کائنات کو پھیلانا چاہا، اللہ تعالیٰ نے جب اس کائنات کا مظاہرہ کرنا چاہا ، اللہ تعالیٰ نے کائنات میں بے شمار نوعوں کو ایک دوسرے سے متعارف کرانا چاہا تو اللہ تعالیٰ کے علم نے ایک کروٹ بدلی ، اور جب اللہ تعالیٰ کے علم نے کروٹ بدلی تو وہاں سے آواز آئی 'کن' ۔ کائنات اللہ تعالیٰ کے ذہن میں جس طرح موجود تھی، کائنات کے نقش و نگار جس طرح اللہ کے ذہن میں موجود تھے ، کائنات کی ضروریات زندگی جس طرح اللہ کے علم میں تھی ، کائنات کے حیات و ممات کا فلسفہ جو اللہ کے ذہن

میں تھا ، جب اللہ نے کن کہا یا اللہ کے علم نے کروٹ بدلی تو وہ سارا ذخیرہ ،
وہ سارا خزانہ، وہ سارا مخفی علم جو اللہ کے ذہن میں تھا اس کا مظاہرہ
ہوگیا۔ اب ہم یوں کہیں گے کہ کائنات دراصل اللہ تعالیٰ کے مخفی علوم کا
مظاہرہ ہے۔ کن ... ہوجا! کیا ہوجا؟ کن کے اوپر جب ہم غور کرتے ہیں تو
لامحالہ اس طرف ذہن جاتا ہے کہ کوئی پروگرام ہے ، مکمل ایک ضابطۂ حیات
ہے جس کو ہوجانے کا حکم دیا جارہا ہے، جس کا مظاہرہ کرنے کا حکم دیا
جارہا ہے۔ کن ... ہوجا! فیکون ... ہوگیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے ذہن میں جو کچھ
تھا ، جب اللہ تعالیٰ کے ارادے میں اس کا مظاہرہ پیدا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے حکم
دیا کن ... ہوجا اور وہ ہوگیا۔ کائنات علم کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ پہلے یہ علم
اللہ تعالیٰ کے ذہن میں محفوظ تھا، اب بھی ہے پھر اس علم کو جس قدر اللہ
تعالیٰ نے ظاہر کرنا چاہا اس کو ظاہر فرمادیا۔ کائنات کے افراد میں جو قابل
توجہ، قابل ذکر جو مخلوقات ہیں وہ تین ہیں۔ فرشتے، جنات اور انسان۔ فرشتے
کا جب ہم ذکر کرتے ہیں تو ہمارے ذہن میں یہ بات وارد ہوتی ہے کہ فرشتے
اللہ کی ایک مخلوق ہیں جو مسلسل اللہ کے حکم کی تعمیل میں مصروف عمل
ہیں۔ فرشتے جب تعمیل حکم میں مصروف ہے تو لامحالہ اس کے علم میں یہ
بات ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کس طرح کرنی چاہئیے۔ دوسری
مخلوق جنات ہیں۔ جنات کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ جنات ایک ایسی مخلوق
ہیں کہ جو مکلف ہے۔ یعنی جزا اور سزا اس کو دی جائے گی۔ جزا اور سزا کے
قانون سے وہ واقف ہیں۔ اچھائی اور برائی کے تصور سے اسے آگاہی حاصل ہے۔
اس کا مطلب بھی یہی ہوا کہ جنات بھی اچھائی اور برائی کا علم جانتے ہیں۔
اچھائی اور برائی کے تصور سے آگاہ ہیں۔ تیسری مخلوق انسان ہے۔ انسان کے
بارے میں بھی یہی ہے کہ وہ اچھائی اور برائی کے تصور سے آگاہ ہے۔ اللہ تعالیٰ
نے اسے ایسے علوم سکھادئیے ہیں کہ جس کا قرآن نے وضاحت کے ساتھ تذکرہ
فرمایا۔ اور اللہ تعالیٰ علم کے بارے میں خود فرماتے ہیں ... و علم الانسان مالم
یعلم ... کہ ہم نے انسان کو وہ علم سکھادیا جو یہ نہیں جانتا تھا۔ زمین کو جب
ہم کریدتے ہیں ، زمین کی تہوں کو الٹ پلٹ کرکے اس کے اندر تفکر کرتے ہیں
وہاں بھی ہمیں یہی بات نظر آتی ہے کہ زمین کا ہر ذرہ ایک مکمل علم ہے۔
جب ہم ایٹم کا ذکر کرتے ہیں اور ایٹم کی گردش کا تذکرہ کرتے ہیں ، اس کی
طاقت کا تذکرہ کرتے ہیں تو اس کا مطلب ہے اس ایٹم کے اندر تعمیر اور تخریب
دونوں کا علم چھپا ہوا ہے۔ پانی کا ذکر کرتے ہیں تو پانی کے اندر جب ہم کھوج
لگاتے ہیں وہاں بھی یہی علم ملتا ہے کہ پانی کے اندر علوم کے ذخیرے چھپے
ہوئے ہیں۔ تو کائنات علم کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ اب علم کی دو قسمیں ہیں۔
ایک علم کی قسم یہ ہے کہ انسان اور حیوانات دونوں کو وہ علم حاصل ہے۔
لیکن اس علم کی تشریح انسان اور حیوان دونوں نہیں کرسکتے۔ مثلاً ایک
خرگوش کو بھی بھوک لگتی ہے ، خرگوش کو بھی اس بات کا علم ہے مجھے کیا
کھانا چاہئیے۔ انسان کو بھی بھوک لگتی ہے، انسان کو بھی اس بات کا علم ہے

مجھے کیا کھانا چاہئے اور کیا نہیں کھانا چاہئے۔ خرگوش بھی سوتا ہے، خراٹے لیتا
ہے، انسان بھی سوتا ہے۔ جس طرح خرگوش سونے کے بعد بیدار ہونے پر مجبور
ہے اسی طرح انسان بھی سونے کے بعد بیدار ہونے پر مجبور ہے۔ اور بیدار ہونے
کے بعد سونے پر مجبور ہے ۔ دکھ درد کا احساس ایک خرگوش کو بھی ہے۔ دکھ
درد کا احساس ایک انسان کو بھی ہے۔ غم کا احساس خرگوش کو بھی ہے۔ غم
کا احساس انسان کو بھی ہے۔ لیکن جب انسان سے یا خرگوش سے یہ پوچھا جائے
کہ غم کیا ہے، تو دونوں کے پاس اس کا جواب خاموشی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔
آپ تشریح تو کرسکتے ہیں کہ جی غم سے مراد یہ ہے کہ آدمی نڈھال ہوجاتا
ہے۔ غم سے مراد یہ ہے کہ آدمی کی صحت برباد ہوجاتی ہے۔ غم سے مراد یہ
ہے کہ آدمی کے بال سفید ہوجاتے ہیں۔ غم سے مراد یہ ہے کہ آدمی کی کمر
جھک جاتی ہے۔ غم سے مراد یہ ہے کہ آدمی کا نظام ہضم خراب ہوجاتا ہے۔
آدمی چڑچڑاہوجاتا ہے۔ بھئی خوشی کیا چیز ہے؟ کہ خوشی کا مطلب یہ ہے کہ
آدمی ہلکا پھلکا رہتا ہے، صحت اچھی ہوجاتی ہے، عمر دراز ہوجاتی ہے، خوش
رہنے والا بندہ خوش اخلاق ہوجاتا ہے۔ مزاج سے چڑچڑاپن ختم ہوجاتا ہے۔ مزاج
میں مروت حلاوت پیدا ہوجاتی ہے۔ نرمی پیدا ہوجاتی ہے۔ لیکن اگر یہ پوچھا
جائے کہ بھئی یہ تو غم کے وہ تاثرات ہیں جو آپ بیان کررہے ہیں فی الواقع غم
کیا چیز ہے؟ تو نوع انسانی کے پاس اس کا جواب نہیں ہے۔ خوشی کیا چیز ہے؟
آپ خوشی کے تاثرات تو بیان کردیں گے ۔ فی الواقع خوشی کیا چیز ہے اس کے
بارے میں جس طرح خرگوش خاموش ہے، اسی طرح آپ بھی خاموش ہیں۔ ایک
تو علم کی تعریف یہ ہوئی کہ آپ اس علم کے تاثرات سے تو واقف ہیں لیکن وہ
علم کیا شئے ہے اس سے آپ واقف نہیں ہیں نہ آپ واقف ہیں نہ خرگوش واقف
ہے ، نہ کوئی اور واقف ہے۔ دونوں، حیوان اور انسان، دونوں اس میں ایک
دوسرے کے بھائی ہیں، ایک دوسرے کے ساتھی ہیں اور دونوں کا ایک دوسرے کے
ساتھ اشتراک ہے۔ دونوں غم اور خوشی سے گزرنے پر مجبور ہیں۔ دونوں پیدا
ہوتے ہیں، دونوں مرجاتے ہیں۔ دونوں جوان ہوتے ہیں، دونوں بوڑھے ہوتے ہیں۔
دونوں مرنے کے بعد مٹی میں مل کر مٹی کے ذرات بن جاتے ہیں۔ ایک خرگوش کو
آپ قبر میں دبا دیں ، ایک انسان کو قبر میں دبادیں، وقت معینہ کے بعد آپ قبر
کو کھولیں تو دونوں کا وجود عدم ہوگا دونوں مٹی کے ذرات میں تبدیل ہوچکے
ہوں گے۔ ایک تو علم کی یہ تعریف ہوئی۔ یہ بات تو طے ہوگئی کہ کائنات ایک
علم ہے۔ جب کائنات ایک علم ہے کائنات کے ذرات بھی ایک علم ہے، اور کائنات
کے سارے ذرات کائنات میں بسنے والی مخلوق ہے۔ اور ایک علم یہ ہے کہ اس
علم کی شئیت، ماہیت اور حقیقت کا ادراک ہوجائے۔ جب اللہ تعالیٰ یہ فرماتے
ہیں کہ و علم الانسان مالم یعلم ... کہ ہم نے انسان کو وہ علم سکھادیا جو وہ
نہیں جانتا تھا ۔ اب خرگوش کی زندگی کا اور انسان کی زندگی کا جب تجزیہ
کریں گے ...(آواز غائب ہے)...تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ خرگوش کو اللہ تعالیٰ
نے وہ علم نہیں سکھایا جو انسان کو سکھادیا۔ و علم الانسان مالم یعلم۔ اس

سے یہ ثابت ہوا کہ انسان کی اگر فضیلت کچھ ہے دوسری تمام مخلوقات پر اگر
انسان کو شرف حاصل ہے تو وہ ایک مخصوص علم ہے وعلم الانسان مالم یعلم
... کہ ہم نے انسان کو وہ علم سکھادیا جو وہ نہیں جانتا تھا اور دوسری
مخلوقات بھی نہیں جانتی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے ساری مخلوق
کو وہ علم سکھادیا جو وہ نہیں جانتی تھی۔ و علم الانسان مالم یعلم ۔ اب
انسان کا شرف یہ ہو اکہ انسان کے پاس اللہ کے سکھائے ہوئے وہ علوم ہیں جو
دوسری مخلوقات کے پاس نہیں ہیں۔ اب انسان کی فضیلت یہ ہوئی کہ ایک
طرف تو انسان اور حیوان برابر برابر ہیں۔ پھر اس کو دوبارہ دہرالیں یاد نہ
رہے کہ بھوک سب کو لگتی ہے، پیاس سب کو لگتی ہے۔ سوتے سب ہیں، جاگتے
سب ہیں۔ جنسی تقاضے سب کے اندر ہوتا ہے۔ بچے سب کے پیدا ہوتے ہیں۔
بچوں سے محبت سب کرتے ہیں اس میں انسان حیوان کی کوئی تخصیص نہیں
ہے۔ تو یہ بچے پیدا کرنا بچوں کی پرورش کرنا بچوں کو سکھانابچوں کی حفاظت
کرنا یہ اس کو آپ کسی بھی طرح علم کے دائرے سے باہر نہیں کرسکتے۔ تو
انسان کی دوہری خصوصیات ہوگئیں۔ انسان کو ایک علم وہ آتا ہے جو کائنات
کی ہر مخلوق کو آتا ہے۔ اور انسان کو ایک علم وہ آتا ہے جو کائنات کی دوسری
مخلوقات کو نہیں آتا۔ چونکہ کائنات کی دوسری مخلوقات کو علم حاصل نہیں
ہے اس لئے انسان کائنات کی تمام مخلوقات سے ممتاز، افضل ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ
نے آدم کو پیدا کیا۔ پیدا کرنے کے بعد اسے علم الاسماء سکھایا۔ و علم آدم الاسماء
کلھا۔ فرشتوں کے سامنے آدم کو کرکے آدم سے کہا ، حکم دیا آدم کو، کہ ہم نے
تجھے جو علوم سکھادئیے ہیں وہ تو بیان کرے جب آدم نے فرشتوں کے سامنے وہ
علوم بیان کئے جو اللہ تعالیٰ نے آدم کو سکھائے تھے تو فرشتوں نے کہا ... قالوا لا
علملنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم کہ پروردگار عالم ! ہمارے خالق،
ہمارے رب! ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں جتنا آپ نے ہمیں سکھادیا ہے۔ اس کا
مطلب یہ ہو اکہ فرشتوں نے آدم کی فضیلت کو اور شرف کو اس بنیاد پر قبول
کیا کہ آدم نے وہ علوم بیان کئے جو فرشتے نہیں جانتے تھے۔ جب فرشتوں نے آدم
کا شرف قبول کرلیا باقی کائنات کی تمام مخلوقات نے آدم کے شرف کو قبول
کرلیا۔ یعنی آدم کا ممتاز ہونا اس لئے ہے کہ آدم کو اللہ تعالیٰ نے وہ علوم
سکھادئیے جو فرشتے نہیں جانتے تھے اور دوسری مخلوقات بھی نہیں جانتی تھیں۔
اللہ تعالیٰ نے جب آدم کو تخلیق کرکے ، علم سکھا کر ، اس کو شرف عطا کردیا
تو ظاہر ہے وہ ساری کائنات میں ممتاز ہوگیا۔ عزت و احترام سے دیکھا جانے
لگا۔ عزت و احترام جب ملا اسے تو پروٹوکول بھی ملنا چاہئیے تھا۔ وہ تو وی آئی
پی ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پروٹوکول کو قائم رکھنے کے لئے آدم کا امتیاز برقرار
رکھنے کے لئے آدم کی فضیلت اور شرف کو محفوظ رکھنے کے لئے آدم کے اوپر ایک
اور انعام کیا۔ اور وہ انعام یہ ہے کہ اب تم چونکہ کائنات میں معزز ترین فرد ہو
، کائنات کی ہر مخلوق تمہاری محکوم ہے۔ علم کی بنیاد پرلہٰذا تمہاری زندگی ،
تمہارا ماحول ، تم جس مقام میں رہتے ہو وہ مقام ایسا ہوگا جو فرشتوں کو

بھی نصیب نہیں ہے اور جو جنات کو بھی نصیب نہیں ہے۔ لہٰذا ہم تمہاری
فضیلت کو سامنے رکھتے ہوئے جو ہم نے تمہیں عطا کی ہے ، ہم تمہیں جنت
عطا کرتے ہیں۔ کہیں ذکر نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہو اس آدم کے
قصے میں کہ فرشتے جو ہیں جنت میں رہتے ہیں ، جنات جنت میں رہتے ہیں، یا
کائنات کی دوسری مخلوق جنت میں رہتی ہے۔ فضیلت کی بنیاد پر آدم کو جنت
میں بھیج دیا گیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اسی فضیلت اور علم کی بنیاد پر آدم سے
فرمایا کہ جو علم تمہیں حاصل ہے ، جو علم تمہیں عطا کیا گیا ہے اس علم کی
ایک حیثیت یہ ہے کہ اس میں پابندی نہیں ہے۔ اس علم کی دوسری تعریف یہ
ہے کہ جب تک تم اس علم کے دائرے میں رہوگے اور اس علم کے دائرے سے باہر
نہیں نکلوگے تمہارے اوپر پریشانی نہیں ہوگی۔ تمہیں غم نہیں ہوگا۔ تم خوش
رہوگے، آباد رہوگے۔ پابندیوں سے آزاد رہوگے۔ اللہ تعالیٰ نے انعام و اکرام کے بعد
آدم سے فرمایا، یا آدم اسکن ، یا آدم اسکن ، یا آدم !اسکن ... اے آدم! سکونت
اختیار کر تو اور تیری بیوی ۔ یا آدم اسکن انت و زوجک الجنة ... اے آدم تو اور
تیری بیوی جنت میں رہو۔ ہم نے تمہیں انعام میں جنت عطا کیا ہے۔ فکلھا منھا
... کھاؤ پیو ، عیش کرو کوئی غم نہیں کوئی پریشانی نہیں ۔ فکلھا منھا ... اس
میں سے کھاؤ پیو ۔ رغداً ... خوشی خوشی کھاؤ پیو۔ جب تک تم جنت میں رہوگے
خوش رہوگے۔ فکلھا منھا رغداً حیث شئتما ... جہاں سے دل چاہے ،اگر جنت کا
رقبہ ایک کروڑ میل پر پھیلا ہوا ہے تو ایک کروڑ میل کی اسپیس تمہارے لئے ایسے
ہی ہے جیسے ایک کمرہ۔ارادے کے تحت اسپیس لپٹے گی۔ ارادے کے تحت اسپیس
کم ہوجائے گی۔ تم یہ چاہو کہ سو میل دور جاکر پانی پیوںاب یہ تمہارے اوپر ہے
اگر تمہارے اندر جو میٹر لگا ہوا ہے تم اس کی رفتار سو میل فی منٹ کردیتے ہو
تو تم ایک منٹ میں سو میل طے کرلوگے ، پانچ منت میں سو میل کردیتے ہو تو
پانچ منٹ میں کرلوگے۔ اور اگر بالکل اسپیس کو توڑ دو گے تو ایک سیکنڈ کے
ہزارویں حصے میں تم سو میل میں پہنچ جاؤگے۔ حیث شئتما ... جہاں سے دل
چاہے ... فکلھا منھا رغداً حیث شئتما ... ولا تقربا... لیکن یہ سب جو انعام و
اکرامات تم کو دئیے گئے ہیں ، اتنا بڑا پروٹوکول دیا گیا ہے اس کے کچھ اصول
ہیں۔ جنت کے مقام پر رہنے کے لئے ، جنت میں رہنے کے لئے کچھ قاعدے ہیں،
کچھ ضابطے ہیں۔ اس لئے کہ علم کے قاعدوں اور ضابطوں کے بغیر نہیں ہوتا۔ ہر
چیز ایک نظام کے تحت ٹھیک لگتی ہے۔ اور ہر چیز ایک نظام کے تحت چلتی ہے۔
اور ہر چیز ایک نظام کے تحت فنا ہوتی ہے۔ ولا تقربا ھذہ الشجرة ... کہ یہ جو
درخت ہے اس کے قریب نہ جانا۔ اور اگر تم نے ہماری ہدایت پر دھیان نہیں کیا
چاہے تم سے بھول چوک ہوگئی، ہوجائے، تو پھر تم ظالموں میں ہوجاؤگے۔ یعنی
فرماں بردار نہیں رہوگے۔اگر حکم عدولی ہوگئی تو وہ چاہے سہواً ہی ہو تو
تمہارے ذہن کے اندر، تمہارے دماغ کے اندر جو ٹائم اسپیس سے آزاد ہونے کا جو
پیٹرن بن گیا ہے اس پیٹرن کے اندر محدودیت پیدا ہوجائے گی۔ ولا تقربا ھذہ
الشجرة فتکون من الظالمین... ۔ آدم سے سہو ہوا ، بھول ہوئی اور وہ درخت

کہ قریب چلے گئے۔ وہ درخت کیا ہے؟ یہ اس کی اگر تشریح بیان کی تو میرا
خیال ہے پوری رات گزر جائے گی اس کو ادھر ذرا ایک طرف رکھتے ہیں۔ جیسے
ہی آدم اس درخت کے قریب گئے تو سب سے پہلے اس حکم عدولی کا نتیجہ یہ
مرتب ہوا کہ آدم نے اپنے آپ کو عریاں دیکھا۔ اب اس کا ایک مطلب تو یہ بھی
ہوسکتا ہے کہ آدم جنت میں کپڑے پہنتے تھے۔ جب یہ حکم عدولی ہوگئی تو وہ
جنت کے کپڑے اتر گئے جو ہمارے بزرگ ہمیں بتاتے ہیں۔ اور ایک مطلب یہ بھی
ہے کہ وہاں ستر پوشی کا کوئی تصور ہی نہیں تھا۔ مثلاً چھوٹے بچے ہیں ،
چھوٹے بچوں میں ستر پوشی کا کوئی تصور نہیں ہوتا۔ ماں باپ، رشتہ دار بار
بار انہیں کپڑے پہناتے ہیں وہ اتار اتار کے پھینکتے ہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا بچے
ننگے ہوکے زیادہ خوش رہتے ہیں۔ یہ تو والدین ان کی ستر پوشی کرتے ہیں۔
شیم شیم شیم شیم کرکے۔بہرحال آدم نے خود کو ننگا محسوس کیا۔ اب آپ
غور فرمائیں جنت ایک ایسا مقام ہے کہ جہاں آدمی خوش رہتا ہے۔ جنت ایک
ایسا مقام ہے جہاں کسی قسم کی پابندی نہیں ہے۔ اچھا، اب جہاں پابندی نہیں
ہے وہاں تغیر نہیں ہے۔ جہاں تغیر ہے وہاں پابندی ہے، جہاں پابندی ہے وہاں
تغیر ہے۔ یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ جب آدم نے جنت کی فضا کو رد کردیا
توآدم کی زندگی میں ایک تغیر پیدا ہوا۔ پہلا تغیر یہ پیدا ہوا کہ آدم نے خود کو
عریاں محسوس کیا۔ دوسرا تغیر یہ پیدا ہوا کہ جنت نے انکار کردیا کہ اب تم
جنت میں نہیں رہ سکتے۔ آدم جنت سے زمین پر آگئے۔ دوسرا تغیر یہ پیدا ہوا
کہ آدم جنت کی نورانی فضا سے نکل کر زمین کی کثیف ، گندی ، متعفن فضا
میں آگئے۔ ...(آواز غائب ہے) ... بھوک لگی ، عادت تو یہ پڑی ہوئی تھی کہ بھوک
لگی،چیز کو دل چاہا چیز موجود ہوگئی۔ حضرت جبرئیل نے آکر کہا، بھولے
بادشاہ اب محنت کرنی پڑے گی۔ جہاں بغیر کچھ کئے اللہ کی نعمتیں ملتی تھیں
وہ اب یہاں نہیں ملے گی وہ جنت میں ملتی ہیں۔ آدم نے کھیتی باڑی شروع
کردی۔ تیسرا تغیر یہ پیدا ہوا کہ پہلے کچھ بھی نہیں کرنا پڑتا تھا سب کچھ مل
جاتا تھا اب کچھ کروگے تو ملے گا۔ پھر یہ تغیر پیدا ہوگیا۔ اور یہ تغیر پوری
زندگی میں داخل ہوگیا۔ اب آدم کی اولاد پر آجائیے۔ آدم کی اولاد مذکر اور
مؤنث دو رخ ہیں۔ جب تک انسان شادی نہیں کرتا اس کی زندگی ایک ڈگر پر
قائم رہتی ہے۔ لیکن جب انسان شادی کرلیتا ہے وہ لڑکا ہو یا لڑکی ہو تو اس
کو ہم یہی کہیں گے اب اس کی زندگی میں ایک انقلاب آگیا ہے۔ تغیر پیدا ہوگیا
ہے۔ پہلے ایک یونٹ تھا اب دو یونٹ بن گئے۔ اب پھر اس میں یہ تغیر آیا کہ
انسان کے اندر جو خون دوڑ رہا ہے اس خون میں کیمیکل تغیرات ہوکر نطفہ
بنا ، نطفہ کو آپ کسی بھی طرح خون میں تغیر کے علاوہ دوسرا نام نہیں دے
سکتے۔ پھر وہ نطفہ رحم مادر میں متغیر ہوتا رہا، الٹتا رہا، پلٹتا رہا، ایسا
کروموسوم یا جرثومہ جو خوردبین سے بھی نظر نہیں آتا ، اتنا تغیر ہوا اتنا تغیر
ہوا کہ وہ جیتی جاگتی صورت بن گئی۔ اس میں وزن بھی نہیں تھا۔ وہ وزن
بھی اتنا کم وزن کہ اس کو کسی طرح تولا ہی نہیں جاسکتا۔ اس میں اتنا تغیر

ہوا، اس کو اتنا الٹا پلٹا گیا کہ وہ سات پونڈ، آٹھ پونڈ، نو پونڈ میں تبدیل ہوگیا۔
اس تغیر کے بعد حضرت آدم کے صاحبزادے اس دنیا میں تشریف لائے۔ جب تشریف
لائے گوشت کے ایک لوتھڑے کی طرح تھے۔ نہ کروٹ بدل سکتے تھے، نہ بیٹھ سکتے
تھے نہ اٹھ سکتے تھے، نہ پہچان سکتے تھے۔ نہ کھاسکتے تھے نہ پی سکتے تھے۔
تغیرات میں اتنا ردو بدل کیا کہ وہ حضرت آدم کے صاحبزادے بیٹھنے لگے، چلنے لگے
پھرنے لگے، بڑے ہوگئے، بھاگنے لگے، دوڑنے لگے۔ جوان ہوگئے پڑھ لکھ کے فارغ
ہوگئے ۔ جب بچہ دو سال کا تھا اسے اے بی سی ڈی نہیں آتی تھی جب اٹھارہ
سال کا ہوا تو اسے ایم اے ہوگیا کیا یہ تغیر نہیں ہے؟ ایک بچہ جو چند پونڈ کا تھا
وہ ڈیڑھ من کا ہوگیا۔ کیا یہ تغیر نہیں ہے؟ ایک بچہ جو ایک فٹ کا تھا وہ چھ
فٹ کا ہوگیا۔ کیا یہ تغیر نہیں ہے؟ یہ تغیر مزید متغیر ہوا اور انسان جوانی سے
بوڑھاپے میں داخل ہوگیا۔ بوڑھاپے سے موت کی نظر ہوگیا۔ یہ سارا تغیر ہے۔
اور اس تغیر کو سمجھ لینا علم ہے۔ یہ تو سب جانتے ہیں کہ بچہ چھوٹا سا ہوتا
ہے بڑا ہوکے چھ فٹ کا ہوگیا۔ جوان ہوگیا بوڑھا ہوگیا مرگیا۔ یہ خرگوش بھی
جانتا اس بات کو۔ اس بات کو بلی بھی جانتی ہے ۔ یہ کوئی علم نہیں ہے۔ علم
یہ ہے تغیرات کے پیچھے کون سا علم ہے جو انسان کو متغیر کررہا ہے، متغیر
کررہا ہے، متغیر کررہا ہے۔ تغیر کیا ہوا؟ پھر ہم جنت میں چلتے ہیں۔ جنت کا
آپ تصور کریں کہ جنت ایک بہت بڑا رقبہ ہے اس میں بہترین خوبصورت باغ
ہیں۔ سلیقے سے درخت لگے ہوئے ہیں ۔ درخت کے پتے، شاخیں ایسے ہیں جیسے
گول چھتری ۔ پھولوں کا یہ عالم ہے کہ ایک پھول میں کئی کئی سو رنگ ہیں۔
ہر رنگ ایک ٹیوب لائٹ کی طرح چمکتا ہے۔ ایسا لگتا ہے اللہ تعالیٰ مجھے اور
آپ کو ایسی بصیرت عطا فرمائے کہ ہم لوگ جنت دیکھ سکیں ، جب آدمی جنت
دیکھتا ہے تو گم ہوجاتا ہے۔ حواس مختل ہوجاتے ہیں۔ جنت میں حوریں ہیں ...
(قرآنی آیت) ... حوریں اتنی خوبصورت ہیں کہ ان کی جو آنکھیں ہیں ، آنکھوں
کی جو پتلیاں ہیں ، ایسا لگتا ہے کہ وہ پتلی سچے موتیوں کو کوٹ کر بنائی گئی
ہے۔ حورً عینً ... ... نشہ ہے اس میں، خمار ہے اس میں ۔ آدم نے جب جنت کو
چھوڑا یا جنت نے جب آدم کو رد کیا تو اس کے اندر ایک تغیر پیدا ہوا۔ اور تغیر
بڑھتے، بڑھتے ، بڑھتے اتنا بڑھا کہ ایک انسان اسّی نوے سال تک رد و بدل ہوتا
رہا۔ اب رد و بدل ہونے کے بعد پھر تغیر شروع ہوکر دوسرے عالمین کا مسئلہ
ہے ۔ آپ حضرات ما شاء اللہ سب پڑھے لکھے لوگ ہیں بحیثیت دوست کے ،
بحیثیت استاد کے ، بحیثیت بڑے کے کہ اگر ہم جنت میں جانا چاہیں تو ہمارے اندر
کس قسم کا تغیر پیدا ہو کہ جنت ہمیں قبول کرلے؟ یہ میرا آپ لوگوں سے
سوال ہے۔کچھ بات سمجھ میں آتی ہے؟ کیا سمجھ میں آئی؟ میں جنت میں جانا
چاہتا ہوں اب جب دیکھئے نہ جب بات آئے گی مذہبی دانشوروں کی تو وہ تو
سیدھی سی بات ہے نیکی کرو جنت میں چلے جاؤگے۔ آسان نسخہ ہے بھئی نیکی
کرو جنت میں چلے جاؤگے۔ بات یہ ہے جنت میں جب آدم تھے اس وقت آدم کس
کیفیت میں تھے؟ ایک کیفیت تو یہ تھی کہ وہ خوش تھے ، خوش رہتے تھے۔

دوسری کیفیت یہ تھی ٹائم اسپیس سے آزاد تھے۔ تیسری کیفیت یہ تھی کہ اللہ
کے فرماں بردار اور تابعدار تھے۔تو جب تک یہ تینوں چیزیں آدم کے بیٹے میں یا آدم
کی بیٹی میں جمع نہیں ہوں گی تو کیا کوئی آدم کا بیٹا یا بیٹی جنت میں جاسکتا
ہے؟ کیوں بھئی؟ اچھا کیوں نہیں جاسکتا؟ اس لئے نہیں جاسکتا کہ اس دنیا میں
تو کوئی ایک آدمی بھی ایسا نہیں ہے جو ٹائم اسپیس سے آزاد ہو۔ چھ ارب کی
آبادی اگر ہے تو چھ ارب کی آبادی میں ایک بندہ بھی ایسا آپ کو نہیں ملے گا جو
ٹائم اسپیس سے آزاد ہو۔ ایک بندہ بھی ایسا نہیں ملے گا ، ان لوگوں کے علاوہ
جو اللہ تعالیٰ نے جن کو مستثنیٰ کردیا ، ایک بندہ بھی ایسا نہیں ملے گا۔ جو
ناخوش نہ ہوتا ہو۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ جنت سے نکلنے کا سب سے بڑا
کردار ہے ، جو سب سے بڑا عمل ہے وہ یہ ہے آدم کی زندگی میں ایک تغیر پیدا
ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی وجہ سے ایک تغیر پیدا ہوا۔ جب تک وہ تغیر ختم
نہیں ہوگا وہ انسان جنت میں نہیں جائے گا۔ اب اللہ تعالیٰ کے قانون کے
مطابق ، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ کے علاوہ ہر چیز فانی ہے۔ ہر چیز فانی
ہے، اللہ باقی ہے۔ باقی سے مراد یہ ہے کہ اللہ میں تو تغیر نہیں ہے۔ اللہ جیسا
ہے ، ہے۔ نہ اللہ بچہ ہے، نہ اللہ جوان ہے، نہ اللہ بوڑھا ہے۔ نہ اللہ خوش ہوتا
ہے نہ اللہ نا خوش ہوتا ہے۔ نہ اللہ کو کوئی غم ہے، نہ اللہ کو کوئی پریشانی
ہے، نہ اللہ کو کوئی ضرورت ہے۔ اب آدم کی پوزیشن کو جب ہم جنت کی
پوزیشن کو دیکھتے ہیں تو وہاں ہماری سمجھ میں یہ بات آتی ہے کہ آدم جب
تک جنت میں رہے۔ کئیر آف اللہ سوچتے رہے۔ اللہ نے کہا خوش ہوکر کھاؤ، خوش
رہے۔ اللہ نے کہا ٹائم اسپیس کی پابندی نہیں، انہوں نے ٹائم اسپیس کی پابندی
کو کبھی محسوس ہی نہیں کیا۔ اب سوال یہ ہے جب ہم جنت سے نکلے تو
ہمارے اوپر مختلف ادوار گزر گئے۔ ماں کے پیٹ کا دورنو مہینے کا۔ایام رضاعت کا
دور دودھ پینے کا، سوا دو سالہ بچپن کا دور آٹھ دس سال کا بارہ سال کی عمر
کا۔ جوانی کا دور، بوڑھاپے کا دور۔ اب اگر ہمیں جنت میں جانا ہے تو ہمیں ان
تغیرات کو بجائے مستقبل کے ماضی میں منتقل کرنا پڑے گا۔ اگر ایک اسی سال کا
بوڑھا آدمی ہے تو اسے اسی سال سے جوانی میں جانا پڑے گا۔ جوانی سے بچپن
میں جانا پڑے گا۔ بچپن سے پیدائش کے دور میں جانا پڑے گا۔ پیدائش سے پیدائش
سے پہلے کے دور میں جانا پڑے گا۔ اور اس سے پہلے دور میں جنت میں جانا پڑے
گا۔ آپ یہ کہیں گے یہ تو بڑی عجیب منطق ہے صاحب وہ اسی سال کا آدمی دو
سال کا ہوجائے گا اور وہ تو دو مہینے کا ہوجائے گا۔ وہ تو زمانہ گزر گیا ، چلا گیا
اسی سال ہوگئے ۔ اسی سال کے زمانے میں جب آپ کھڑے ہوتے ہیں اور اسی
سال کی عمر میں ، بارہ سال کی عمر کی بات یاد کرتے ہیں آپ کو یاد آجاتی ہے
یا نہیں آتی؟سب بولیںبھئی؟ میں نے پہلے بھی اس قسم کی باتیں کی ہیں اب آپ
لوگ تھوڑا سا تھک بھی گئے ہوں گے ۔ آنکھیں بند کرلیں ، ریلکس ہوجائیں
بالکل ۔ تین دفعہ یا حیی یا قیوم پڑھیں اور بارہ سال کی عمر کا کوئی واقعہ یاد
کریں۔ ایک منٹ کا یہ مراقبہ ہے۔ یعنی دیکھنا یہ ہے کہ میں چالیس سال کا

ہوں، تیس سال کا ہوں، بیس سال کا ہوں ، اسی سال کا ہوں، ساٹھ سال کا، کتنے سال کا بھی ہوں ، جو آدمی جتنے بھی سال کا ہے بہر حال بارہ سال کی عمر سے تو وہ گزر کے آیا ہے۔ کوئی آدمی یہ نہیں کہہ سکتا تھا میں تو بارہ سال کا کبھی ہوا ہی نہیں ، بارہ سال کے بارے میں کیا سوچوں۔ آنکھیں بند کرکے بارہ سال کی عمر کا کوئی واقعہ یاد کرنا ہے۔ مثلاً اماں نے مارا، ابا نے کچھ کہا، اسکول میں گئے، کوئی شرارت کی ، کوئی خوشی کی بات یاد آجائے، کوئی غمی کی بات یاد آجائے۔ بہرحال بارہ سال کی عمر کے بارے میں آپ تین دفعہ یا حیی یا قیوم پڑھ کے آنکھیں بند کرکے تصور کریں کہ میں بارہ سال کی عمرمیں ہوں اور بارہ سال کی عمر میں فلاں واقعہ اس طرح ہوا تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(ورد یا حیی یا قیوم ۔ تین دفعہ)

(بارہ سال کی عمر کا تصور)

جی ایک منٹ ہوگیا بھائی؟ کتنے لوگ ایسے ہیں جن کو کوئی بارہ سال کی عمر کا کوئی واقعہ یاد آیا؟ کوئی ہلکا سا نقش کوئی خاکہ ابھرا ہو ذہن میں مجھے تو اندھیرا ہورہا ہے مجھے تو کچھ نظر نہیں آرہا ہے۔ بھئی؟ بھئی یہ بتی جل نہیں سکتی کیا؟ ہاتھ اٹھائیں ۔ ماشاء اللہ! سمجھ لیں ففٹی پرسنٹ سے زیادہ ہاتھ اٹھے ہوئے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب آپ یہاں ایک منٹ کے غور و فکر کے ساتھ بارہ سال کی عمر میں پیچھے پلٹ سکتے ہیں اگر آپ اس پریکٹس کو جاری رکھیں تو دس منٹ کیا آپ دو سال کے بچے نہیں بن سکتے؟ ہماری پریشانی یہ ہے کہ ہم جب بھی تذکرہ کرتے ہیں مستقبل کا ہی رونا روتے ہیں۔ ہمیں جب بھی فکر لاحق ہوتی ہے تو مستقبل کی فکر لاحق ہوتی ہے۔ ہم کہتے یہ ہیں کہ رازق اللہ ہے ، ہمارا تجربہ بھی یہی ہے کہ رازق اللہ ہے، ماں کے پیٹ سے اٹھارہ بیس سال کی عمر تک اللہ نے ہمیں اس طرح رزق عطا کیا ہے کہ ہم نے کوئی محنت مزدوری نہیں کی ۔ اور جب بیس سال کے ہوتے ہیں تھوڑا سا پڑھ لکھ لیتے ہیں بازو میں تھوڑی جان آتی ہے تو ہم کہتے ہیں محنت مزدوری نہیں کریں گے تو روٹی کہاں سے کھائیں گے۔ اس کا مقصد ہر گز یہ نہیں ہے کہ آپ محنت مزدوری نہ کریں ۔ محنت مزدوری تو اس لئے کریں کہ اللہ چاہتا ہے آدمی محنت مزدوری کرے۔ جب ذکر آتا ہے اللہ کا تو زبان سے آدمی سو دفعہ اللہ کا ذکر کرتا ہے ۔ جب ذکر آتا ہے دنیا کا تو اس میں دل اس طرح شامل ہوجاتا ہے کہ یہ نظر نہیں آتا کہ آدمی کو اس دنیا سے جانا بھی ہے۔ مراقبہ ایک ایسا عمل ہے جو انسان کو اس کی بنی ہوئی فلم کو دیکھنے کے قابل بنادیتا ہے۔ جب ہم مراقبہ کرتے ہیں مراقبہ کا مطلب یہ ہے کہ ہم تصوراتی طور پر اگر ہمارا دل چاہے۔ تو ہم ایک لاکھ سال آگے چلے جائیں گے اور اگر ہمارا دل چاہے۔ تو ہم سو سال پیچھے اپنے بچپن میں چلے جائیں گے۔ جب ہم اپنے ارادے سے ، اپنے اختیار سے تصوراتی شکل میں بار بار، بار بار، بار بار دس سال کی عمر میں

جائیں گے تو دس سال کی عمر جانے کا مطلب یہ ہوگا کہ دس سال کے بچے کے
جو تصورات ہیں ، دس سال کے بچے کی جو زندگی ہے ، دس سال کے بچے کا جو

Atmosphere

ہے آپ اس میں منتقل ہوجائیں گے۔ جب اس میں منتقل ہوجائیں گے تو آپ کے
اوپر وہ ساری کیفیات مرتب ہوجائیں گی جو آٹھ سال اور دس سال کے بچے کی
ہوتی ہے۔ دس سال کا بچہ بھی چلتا پھرتا ہے، دس سال کا بچہ بھی کھاتا پیتا
ہے،دس سال کا بچہ بھی کپڑے پہنتا ہے۔ اگر ایک چالیس سال کا آدمی پورے عقل
و شعور کے ساتھ ، ہوش و حواس کے ساتھ سارے دنیا کے کام کرے اور اس کی
ذہنی کیفیت دس سال کے بچے کے برابر ہوجائے تو اس کے اوپر ایک سکون ،
استغنائ، قناعت، لاپرواہی کی ایک کیفیت طاری ہوجائے گی۔ حضور قلندر بابا
اولیا نے مجھ سے ایک دفعہ فرمایا اگر خوش رہنا ہے، اگر جنت کی زندگی میں
واپس پلٹنا ہے ، اگر دنیا کی پریشانیوں سے ، دنیا کی بیماریوں سے ، بدبختیوں سے
آزاد ہونا ہے تو تمہارا جسم کتنا ہی بڑا ہوجائے تمہاری کیفیت اللہ کے ساتھ
سات ، آٹھ سال کے بچے سے زیادہ نہیں ہونی چاہئیے۔ جب کسی بندے کی کیفیت
سات، آٹھ سال کے بچے کی ہوجائے گی اللہ کے ساتھ تو جس طرح ماں باپ بچے
کی ہر ضرورت کا خیال رکھتے ہیں ، خود کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کی ضروریات
کا خیال کرے گا۔ اب صورت یہ ہے کہ آپ جب بڑے ہوگئے آپ نے کہا کہ صاحب
میں کماؤں گا نہیں تو کھاؤں گا کہاں سے۔ میں جوتا نہیں خریدوں گا تو پہنوں گا
کہاں سے۔ میں محنت مزدوری کرکے کپڑا بازار سے نہیں خریدوں گا، ٹیلر ماسٹر
کو نہیں دوں گا تو میں کپڑے کہاں سے پہنوں گا۔ یہ تکلیفیں آپ نے خود اپنے اوپر
مسلط کرلی ہیں۔ جب آپ اللہ کے ساتھ اپنے رشتے کو آٹھ سال کی عمر سے
وابستہ کرلیں گے تو آپ کے رزق میں برکت ہوگی۔ آپ کی صحت میں برکت
ہوگی۔ جس طرح والدین آپ کی کفالت کرتے ہیں ، آپ کی ہر ضرورت کا خیال
کرتے ہیں ۔ جن چیزوں کی آپ کو ضرورت نہیں ہوتی وہ بھی خرید کر لاتے ہیں
اسی طرح اللہ کا ایک نظام ہے کہ فرشتے انسان کی خدمت میں دست بستہ
کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اور اس کی ہر ضرورت کی کفالت اللہ کی طر ف سے ہوتی
ہے۔ ایک قصہ غوث علی شاہ صاحب نے اپنی کتاب میں لکھا، ایک بڑا شہر تھا،
بازار میں کساد بازاری آگئی ۔ آہستہ آہستہ بازار اجڑ گیا۔ لوگوں نے نقل مکانی
شروع کردی۔ تو وہاں اس بازار میں دو سوداگر آئے۔ انہوں نے خرید و فروخت
شروع کردی۔ اور ہر چیز کی انہوں نے خریداری شروع کردی۔ جب انہوں نے
خریداری شروع کی تو آہستہ آہستہ وہ جو دکاندار وہاں سے چلے گئے تھے
کاروبار نہ ہونے کی وجہ سے، انہوں نے واپس آنا شروع کردی۔ وہ کافی دنوں تک
وہ دو سوداگر وہاں شہر میں موجود رہے ۔ سامان خریدتے رہے۔ پانی کے جہاز
انہوں نے سمندر کے کنارے کھڑے کردئیے ۔ وہ سامان بھرتے رہے، خریدتے رہے،
بھرتے رہے، خریدتے رہے، بھرتے رہے۔ ان کے ساتھ ایک آدمی بھی لگ گیا محنت

مزدوری، منشی لگ گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے بازار پر رونق ہوگیا۔ زمین کی قیمت
بڑھ گئی۔ لوگوں کے وارے کے نیارے ہوگئے۔ غریب امیر ہوگئے۔ امیر سوداگر بن
گئے۔ اب وہ دونوں سوداگر وہاں سے چل پڑے۔ تو ان کے ساتھ جو منشی جی تھے
وہ بھی ساتھ ساتھ چلے۔ تو ان سوداگروں نے کہا، کہ بھئی اب ہمارا تمہارا ساتھ
نہیں تم اپنا حساب کرواور جو پیسے ٹکے لینے ہیں لو اور جاؤ۔ اس نے کہا جی
میرا تو کوئی ہے ہی نہیمیں تو اکیلا ہوں اس دنیا میں، اب میں نے کہاں جانا،
میں نے تمہارے ساتھ رہنا ہے۔ جہاں بھی تم جاؤگے میں وہیں رہوں گا۔ قصہ
کوتاہ یہ ہے کہ وہ دونوں سوداگر سمندر کے کنارے پہنچ گئے اور اس کو منشی
جی کو بھی جہاز میں بٹھالیا۔ اور یہ کہا کہ بھئی یہ جہاز ہم ڈبودیں گے لہٰذا تم
یہ کرو یہ کشتی لو اور سمندر کنارے چلے جاؤ۔ بات یہ ہے کہ یہ شہر اجڑ گیا تھا،
کساد بازاری اتنی آگئی تھی کہ بازار بے رونق ہوگئے، برباد ہوگئے ۔ تو ہم فرشتے
ہیں ، اللہ نے ہمیں یہاں اس لئے بھیجا کہ اس بستی کو دوبارہ آباد کرو۔ ہم نے
اس بستی میں خرید و فروخت شروع کردی ، اللہ کی مہربانی سے یہ بستی آباد
ہوگئی ہم نے ان چیزوں کا کیا کرنا ہے۔ بھئی ہم نے تو اس جہاز کو سمندر کے بیچ
میں لے جاکر ڈبودینا ہے۔ اب تم جاؤ۔ اس کو وہاں سے اتارا کشتی میں بٹھایا،
سمندر میں گئے اور سمندر میں جاکر اس جہاز کو پانی میں ڈبودیا۔ اس قصے کے
پیچھے اگر آپ غور کریں ہمیں نہیں معلوم کہ بازار میں کتنے فرشتے آکر خرید و
فروخت کرتے ہیں جن کی وجہ سے آپ کے بازار آباد ہیں۔ آپ نے کبھی سوچا ہے
کہ بازار وہی ہے۔اتنے بازار تیزی سے تو اب بننے لگے پہلے تو وہ بڑھتے نہیں تھے۔
لیکن جس تیزی سے بازار بڑھ رہے ہیں اس تیزی سے پیدائش نہیں ہورہی ہے۔
عید بقرعید میں آپ دیکھیں ۔ عید میں کوئی غریب ہو، امیر ہو، مزدور ہو، کوئی
ہو یہاں جس کے جیب میں دیکھو پیسے بھرے ہوئے ہیں۔ کچھ ایسا اللہ کا نظام
بنا ہوا ہے کہ عید بقر عید میں سب کے پاس پیسے ہوتے ہیں۔ میں نے اپنے مرشد
حضور قلندر بابا سے پوچھا کہ صاحب ایک مثال تو میری بھی ہے مجھے تنخواہ
وہی ملی۔ اس زمانے میں سرکلر ریلوے میں ملازم تھا۔ کہ مجھے تنخواہ تو وہی
ملی ،مجھے تو کوئی سو روپے کے ایک سو دس روپے بھی نہیں ملے۔ میرے
اخراجات بھی وہی ہیں۔ یہ عید بقرعید میں اتنے سارے پیسے میرے پاس کہاں
سے آجاتے ہیں کہ میں نے سب کو عیدی بھی دے دی اور میں نے یہ شیر خرمہ
بھی آگیا اور فلاں بھی ہوگیا اور ...؟ تو حضور قلندر بابا اولیا نے فرمایا کہ اللہ کے
نظام میں ایک کٹیگری ہے مردان غیب کی۔ ان کو مردان غیب کہا جاتا ہے۔ ان
کی یہ ڈیوٹی ہے ، سوچنے کی بات ہے، آپ غور سے سنیں ، ان کی یہ ڈیوٹی ہے
جب انسان کسی ایسے ماحول کو

Create

کرلے کہ جس میں خوشی ہو تو خوشی کی ہر چیز مہیا کردیتے ہیں۔ تاکہ کل
کو انسان یہ نہ کہے کہ ہم توخوش رہنا چاہتے تھے، ہمارے پاس اگر پیسے ہوتے

تو ہم خوش رہنا چاہتے تھے، ہم اس لئے خوش نہیں ہوئے کہ ہمارے پاس پیسے نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ایک ایسا نظام ہے کہ ہر انسان کو وہ چیز فراہم کردی جاتی ہے جس کی وہ خواہش کرتا ہے۔ اور جب انسان ناخوش ہونا چاہتا ہے تو آپ نے دیکھا ہوگا گاڑی بھی ہے، بنگلہ بھی ہے، نوکر بھی ہیں، بینک بیلنس بھی ہے، صحت بھی ہے، اور آدمی پھر بھی ناخوش ہے۔ اگر خوشی کا تعلق پیسے سے ہے، دولت سے ہے، بنگلہ کوٹھی سے ہے، کاروں سے ہے، تو امیروں کو تو بہت زیادہ خوش ہونا چاہئیے۔ لیکن اگر آپ سروے کریں ، تو سروے میں آپ کو یہی بات ملے گی کہ امیر آدمی زیادہ ناخوش رہتا ہے۔ مجھے اس کا تجربہ ہے اس لئے کہ میں بھی کچھ عرصے امیر رہ چکا ہوں۔ کبھی سکون نہیں ملا۔ کبھی پریشانی سے نجات نہیں ملی۔ پولیس کا خوف، اس کا خوف، اس کا خوف، اگر دولت نہیں رہی تو کوئی عزت نہیں کریگا۔ اگردولت نہیں رہی تو کوئی مجھے سلام نہیں کرے گا۔ اگر یہ نہیں ہوا تو یہ نہیں ہوا۔ پریشانی ہی رہی۔ کوئی آدمی ملنے آیا بیچارہ پیار محبت سے خلوص سے، اچھا یہ پیسے مانگنے آیا ہوگا۔ وہ پہلے ہی رونا رودیتا تھا بھئی میرے پاس تو کچھ ہے ہی نہیں بڑا مقروض ہوں ، یہ ہے۔ وہ کہتا ہے بھائی میں آپ کے پاس پیسے مانگنے تھوڑی آیا ، بھئی میں تو بھائی بنا کر آپ کے ... ہاں نہیں میں نے ایسے ہی کہا آج کل بڑا مندہ ہے ، بڑا یوں ہے، یوں ہے۔ لیکن جب انسان خوش رہنا چاہتا ہے تو اس کا مطلب آپ سمجھتے ہیں کیا ہوا؟ اس کا مطلب یہ ہو اکہ اب وہ جنت کی زندگی کو اپنانا چاہتا ہے۔ وہ ریکارڈ اس کے پاس پورا ہے۔ حضور قلندر بابا اولیا فرماتے ہیں کہ یہ جو آدم کے ساتھ جو مسئلہ درپیش ہوا کہ آدم کو علم الاسماء سکھایا اللہ تعالیٰ نے ۔ پھر فرشتوں سے سجدہ کرایا۔ پھر جنت میں بھیجا۔ جنت میں آدم خوش رہا۔ کھایا پیا، عیش کئے ۔ پھرآدم شجر ممنوعہ پہ چلے گئے۔ وہاں سے، جنت سے نکالا ملا۔ دنیا میں آنے والا ہر آدم زاد اس پروسس سے گزر کر دنیا میں آتا ہے۔ آپ یہ نہیں سمجھئے آپ یہیں پیدا ہوگئے۔ یہاں کہاں سے پیدا ہوگئے۔ آپ یہ نہیں کہتے کہ عالم ارواح سے روح آگئی؟ تو عالم ارواح میں کہاں سے آئی؟ بھئی یہ جو روحیں اتنی ساری آرہیں کہاں سے آئیں؟ ہر آدم زاد کو اللہ تعالیٰ علم الاسماء سکھاتا ہے۔ ہر آدم زاد جنت میں رہ کر اس دنیا میں آتا ہے۔ اور ہر آدم زاد اس دنیا میں رہ کر واپس جنت میں جائے گا۔ قالوا ان للہ و ان الیہ راجعون ... ہر چیز اللہ کی طرف سے آرہی ہے، اللہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ رسول اللہ ؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ دوزخ کی آگ ٹھنڈی ہوجائے گی۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ دوزخ رہے گی نہیں۔ جنت ہی جنت رہ جائے گی۔ ایک دفعہ میں نے حضور مرشد کریم قلندر بابا سے پوچھا کہ صاحب یہ جو حساب کتاب ہوگا حشر میں ، حشر و نشر میں ، اللہ تعالیٰ عدالت بن جائیں گے اور گناہ، ثواب اور یہ گواہی دیں گے، ہاتھ بھی گواہی دیں گے، پیر بھی گواہی دیں گے اور آنکھیں بھی گواہی دیں گی ۔ اگر نیکی کی ہوگی تو آدمی نیکی کا اقرار کرے گا اگر اس نے ذرہ برابر برائی کی تو برائی کا اقرار کرے گا ...

فمن یعمل مثقال ذرة خیرا یرا ء ... و من یعمل مثقال ذرة شرا یراء ... اگر تم نے
ایک ذرے کے برابر نیکی کی ہے اس کو تولا جائے گا اور تو ل کے اس کا تمہیں اجر
دیا جائے گا۔ اور اگر تم نے ایک ذرے کے برابر شر کیا ہے اس کو بھی تولا جائے گا
اور اس کی سزا مقرر ہے۔ تو جب پیش ہوں گے لوگ ۔ لوگوں کو پتہ ہوگا کہ
ہم نے کیا کیا۔ پتہ تو ابھی بھی ہے۔ مرشد کریم حضور قلندر بابا فرمایا کرتے تھے
کہ انسان کو پتہ ہے جو کچھ وہ کرتا ہے، یا اللہ کو پتہ ہے جو کچھ وہ کرتا ہے۔
اللہ نے پردہ ڈالا ہوا ہے اس لئے ہماری عزت ایک دوسرے سے کرتے ہیں۔ کیا
کوئی ایک انسان جو اتنے بڑے ہال میں ، مجمع میں بیٹھا ہے اس بات سے انکار
کرسکتا ہے کہ اس نے جو برائی کی ہے ، وہ اس کو یاد نہیں ہے؟ اسی طرح
کوئی انسان اس کو بھی یاد رکھتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے اس نے
کوئی نیکی کی ہے تو وہ بھی اسے یاد ہے۔ تو جب یہاں یاد ہے تو حشر میں
کیسے یاد نہیں ہوگا بھائی؟ وما ادرک وما علیین ... وما ادرک وما سجیین ... کتاب
المرقومہ جو کچھ تم نیکیاں کر رہے ہو اس کی بھی ویڈیو فلم بن رہی ہے۔ جو
تم برائیاں کررہے ہو اس کی بھی ویڈیو فلم بن رہی ہے۔ جب حشر میں کھڑے
ہوگے جاکے تو وہاں ویڈیو فلم کھول کے اسکرین پہ دکھا دی جائے گی۔ ہر آدمی
کو پتہ ہوگا میں یہ کرکے آیا ہوں۔ حضور قلندر بابا اولیا نے فرمایا، کہ بھئی ہم
نے تو یہ دیکھا ہے کہ حشر میں ہر آدمی ڈرا ہوا ہوگا، سہما ہوا ہوگا۔ اللہ
تعالیٰ کا جلال سامنے ہوگا۔ لوگ کھڑے ہوں گے سر جھکائے ہوئے۔ دعائیں مانگ
رہے ہوں گے۔ رو رہے ہوں گے۔ پیغمبر جو ہیں وہ سفارش کررہے ہوں گے۔
سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مغفرت کی دعائیں مانگ رہے ہوں گے ،
واسطے دے رہے ہوں گے اللہ کی رحمت کے۔ تو اللہ میاں بیٹھے بیٹھے فرمائیں گے
کہ ہم نے تمہیں نہیں بتادیا تھا کہ برائی کی سزا ہے اور بھلائی میں خیر ہے۔ ہم
نے کیا فرشتوں کے ذریعے تمہیں انسپائر نہیں کیا ؟ ہم نے کیا پیغمبر نہیں بھیجے؟
ہم نے اولیا اللہ نہیں بھیجے؟ اب لوگ کیا جواب دیں گے؟ تو لوگ روئیں گے
پریشان ہوں گے۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے یہاں سے چلے جاؤ۔ حضور قلندر بابا
جب یہ فرمارہے تھے میرے ذہن میں بالکل اس طرح جیسے میں کوئی فلم دیکھتا
ہوں ، آپ لوگ بھی دیکھتے ، ایسے نظر آیا کہ اللہ میاں نے کہا جاؤ ... چلے جاؤ!
تو اسی مجمع میں سے دوزخی لوگ الگ ہوجائیںگے، جنتی لوگ الگ ہوجائیں گے۔
دوزخی لوگ دوزخ کی طرف چلے جائیں گے۔ جنتی لوگ جنت کی طرف چلے
جائیں گے۔ آٹومیٹک۔ اللہ نہیں کہے گا دوزخ میں چلے جاؤ۔ اللہ کی شان ربوبیت
کے خلاف ہے یہ بات کہ اللہ اپنے کسی بندے کو دوزخ میں ڈال دے۔ بندہ خود ہی
دوزخ کا انتخاب کرلے گا اس لئے کہ وہ اپنی فلم دیکھ رہا ہے۔ جنت والے جنت
میں چلے جائیں گے دوزخ والے دوزخ میں چلے جائیں گے۔ کچھ عرصے کے بعد اللہ
تو رحیم ہے، اللہ تو کریم ہے ، اللہ ستار العیوب ہے، غفار الذنوب ہے، ستر ماؤں
سے زیادہ محبت کرنے والا ہے۔ کچھ عرصے کے بعد اللہ تعالیٰ فرشتوں کو بلائیں
گے۔ فرشتے حاضر ہوجائیں گے۔ اللہ میاں پوچھے گا بھئی یہ شور کیسا ہے؟ لوگ

کیوں رو رہے ہیں؟ کیوں چیخ رہے ہیں؟ تو فرشتے کہیں گے یا اللہ ...(آواز غائب ہے)... تو اللہ میاں کہیں گے ہم نے سمجھانے کے لئے پیغمبر نہیں بھیجے تھے ؟ پیغمبروں کی تعلیم کا پرچار کرنے والے لوگ نہیں بھیجے تھے؟ فرشتے کہیں گے اللہ میاں سب کچھ آپ نے تو اپنا وعدہ پور ا کیا۔ لیکن یہ بڑے کمزور ہیں، آپ کی مخلوق ہیں، ان سے تکلیف برداشت نہیں ہورہی اللہ میاں ۔ تو اللہ میاں ... حضور قلندر بابا اولیا نے ایسے مزے سے کہا ، خوش ہوکے کہ اللہ میاں کہیں گے انہیں چپ کراؤ ! بھئی جنت ٹھنڈی ہوگی تو چپ ہوں گے۔ چپ کرو! شور مچارہے ہیں ، اتنا سمجھایا میں نے۔ اب آپ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد سنیں، ایک وقت ایسا آئے گا کہ دوزخ کی آگ ٹھنڈی ہوجائے گی۔ جب دوزخ کی آگ ٹھنڈی ہوگئی تو جنت ہی تو بن گئی بھئی۔ بھئی دوزخ میں اگر آگ نہیں ہے تو جنت ہی تو ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ ذرہ نواز ہیں، معاف کرنے والے ہیں، لیکن اللہ کی مخلوق کی حیثیت سے ، اللہ کے بندے ہونے کی حیثیت سے ہمارے اوپر بھی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اور وہ ذمہ داری یہ ہے کہ ہم اس بات کی پریکٹس کریں ، اس عادت کو اپنی زندگی میں داخل کرلیں کہ اگر ہم پیدا ہوئے تو اللہ نے پیدا کیا۔ اگر ہم رزق کھاتے ہیں تو اللہ کا دیا ہوا کھاتے ہیں۔ اور اس میں کوئی جھوٹ بات ہے نہیں۔ اللہ سورج نہ بنائے تو آپ کو گندم مل سکتی ہے؟ تو اللہ کا دیا ہوا ہی کھارہے ہو نہ؟ تو اگر اس بات کو کہہ بھی دو بھئی ہم اللہ کا دیا ہوا کھارہے ہیں تو آپ کا کیا بگڑ گیا۔ آپ کہیں جی ہم تو محنت مزدوری کرتے ہیں، تب چار پیسے کماتے ہیں۔ اللہ آپ کے اندر طاقت نہ دیں، بازوؤں کو شل کردے، فالج زدہ ہوجائیں۔ اگر آپ محنت مزدوری کررہے ہیں تو کس کی دی ہوئی طاقت سے کررہے ہیں؟ تو کہو بھی تو سہی اللہ نے ہمیں طاقت دی ہے تو ہم مزدوری کررہے ہیں۔ آپ کھانا کھارہے ہیں ، آپ کا معدہ قبول نہ کرے کھانے کو ، اللہ معدہ ہی نہ بنائے ، آنتیں ہی نہ بنائے ، جگر ہی نہ بنائے، پتہ ہی نہ بنائے ، تلی نہ بنائے، پھیپھڑے نہ بنائے ، دل نہ بنائے تو آپ کا کھانا کدھر گیا بھئی؟ اللہ ہی نے بنائے ہوئے ہیں نے سارے۔ تو آپ اللہ کو جب کھانا کھائیں تو کھانا کھانے کے بعد اگر آپ یہ کہہ دیں یا اللہ! تیرا شکر ہے۔ تو کون سے آپ کا آپ بینک رپٹ ہوجائیں گے؟ عملی زندگی میں اللہ کو شامل کرلو۔ الذین یؤمنون بالغیب ... وہ لوگ جو متقی ہیں، پاکیزہ ذہن ہیں، یقین رکھتے ہیں، صاحب مشاہدہ ہیں ، صاحب ایمان ہیں، وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم جو کچھ خرچ کرتے ہیں ... و مما رزقنھم ینفقون ... ہم جو کچھ خرچ کرتے ہیں اللہ ہمیں دیتا ہے۔ تب ہم خرچ کرتے ہیں۔ تو اس بات کو اگر آپ نے اپنی زندگی میں داخل کرلیں کہ جب آپ کچھ خرچ کریں آٹومیٹک آپ کے ذہن میں یہ بات آئے کہ اللہ نے مجھے دیا تو بھی میں خرچ کررہا ہوں۔ لیجئے آپ کا کام ہوگیا۔ آپ کا کوئی نقصان نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے یہ چاہتے ہیں کہ میرے بندے ، میں نے انہیں بڑی محبت سے پیدا کیا ،ا ن کے لئے وسائل بنائے ، ان کو خوبصورت بنایا، ھوا لذی یصورکم فی الارحام کیف یشاء ... کیا تم سوچتے نہیں ہو کہ میں ماں کے پیٹ میں کیسی

کیسی خوبصورت تصویریں بناتا ہوں تمہارے لئے۔ میں نے ان کو پیدا کیا، میں نے
پیدا ہونے کے بعد ان کی ماں کے سینے کو دودھ سے بھردیا۔ میں نے ماں کے دل
میں مامتا ڈال دی۔ باپ کے دل میں شفقت پیدا کردی۔ میں نے ان کو جوان کیا،
میں نے ان کو بوڑھا کیا۔ میں نے ان کے لئے وسائل فراہم کئے۔ سعید اولادیں دیں۔
اللہ یہ چاہتا ہے جو کچھ میں نے ان کے ساتھ احسان کیا ہے اس کو یاد کریں۔
میں ان سے چھین نہیں رہا ہوں۔ اگر یہ کھانا کھاکے یہ کہیں گے یا اللہ! تیرا
شکر ہے۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے میں ان کی دو روٹی کے بجائے ایک روٹی
کردوں گا، ایک چھین لوں گا۔ اعملوا و اراد شکرا ... و قلیلاً من عبادی شکرا...
اللہ تعالیٰ حضرت داؤد کے قصے میں کہتے ہیں اے آل داؤد! شکر کو اپنا شعار
بنالو۔ اس لئے کہ شکر کرنے والے بندے بہت کم ہیں۔ اگر آپ کو واپس جنت میں
جانا ہے تو اس کا آسان نسخہ جو میری سمجھ میں آئی ہے وہ یہ ہے کہ آپ جو
بھی کام کریں اس میں اللہ کو شامل کرلیں۔ برائی اگر کریں اس میں بھی اللہ
کو شامل کرلیں۔ برائی میں اللہ کو کیسے شامل کریں گے جیسے ہی برائی ہو
آپ کا ضمیر آپ کو ملامت کرے، آپ ہاتھ جوڑ کے بیٹھ جائیں ... ربنا ظلمنا انفسنا
و ان لم تغفرلنا و ترحمنا لنا کوننا من الخاسرین... اللہ شریک ہوگیا۔ اللہ نے تو
آدم کو بھی معاف کردیا ۔ اللہ نے جب آدم کو معاف کردیا تو اللہ آدم کی اولاد کو
کیوں معاف نہیں کرے گا۔ اللہ تو چاہتا یہ ہے کہ بندے میرے ساتھ جڑا رہے، چمٹا
رہے، لپٹا رہے ۔ ادعونی استجبلکم ... میرے بندو! مجھ سے مانگو میں دوں گا ۔
اللہ یہ نہیں کہتا کہ مجھ سے نہیں مانگو ۔ ماں باپ سے کتنا مانگ لیں گے آپ دو
دفعہ تین دفعہ مانگیں گے، ماں بھی ناراض ہوجائے گی، باپ بھی ناراض ہوجائے
گا، بس بس وقت مانگتا رہتا ہے۔ اللہ سے آپ روزانہ ایک لاکھ خواہشات مانگیں
۔ حضور قلندر بابا فرمایا کرتے تھے اللہ سے ایک لاکھ چیزیں مانگو روز اللہ اس
بات پہ قدرت رکھتا ہے کہ آپ کو ہر روز ایک لاکھ چیزیں دے دے گا چاہے آپ ایک
لاکھ سال تک مانگتے رہیں۔ جو اتنا بڑا دیالو ہے، دینے والا ہے، اس سے جب آپ
مانگتے ہیں تو آپ کی زبان ہلتی ہے، زبان کا گوشت ہلتا ہے۔ اور جب آپ اپنے
سیٹھ سے، کارخانے کے ، فیکٹری کے مالک سے یا جنرل منیجر سے مانگتے ہیں تو
آپ کا دل دھک دھک کرتا ہے۔ یہ مجھے نکال دے گا ، میری ترقی رک جائے گی۔
میری تنخواہ کم کردے گا۔ مجھے ایک بزرگ نے قصہ سنایا کہ ایک بہت پریشان
حال آدمی بادشاہ کے دربار میں جاپہنچا۔ وزیر نے کہا کہ بادشاہ ابھی مصروف
ہے تم انتظار کروملاقات تمہاری کرا دیں گے۔ وہ کچھ لوگوں میں تاک جھانک کی
عادت ہوتی ہے یہاں جھانک لیا، وہاں جھانک لیا۔ مسلمانوں میں تو یہ بہت ہی
خصوصاً یہ پاکستان میں ۔ وہ ہر وقت یہ عینک لگائے رہتے ہیں کہ دوسرا آدمی
کیا کررہا ہے۔ تاکہ اپنا آپ نظر نہ آئے۔ تو وہ بھی تاک جھانک کا آدمی ہے اس نے
دیکھا بادشاہ جو ہے وہ دعا مانگ رہا ہے، ہاتھ جوڑے ہوئے بیٹھا ہے۔ اس کو بڑی
حیرت ہوئی کہ بادشاہ یہ کیا کررہا ہے۔ تو اس نے وزیر سے پوچھا کہ بھئی یہ
بادشاہ کیا کررہا ہے؟ اس نے کہا بادشاہ مانگ رہا ہے۔ تو کہنے لگا کہ بادشاہ

بھی مانگتا ہے؟ کہا ہاں بھئی بادشاہ بھی مانگتا ہے۔ کہنے لگا کس سے مانگ رہا
ہے۔ کہنے لگا بھئی اللہ سے مانگ رہا ہے۔ اچھا! بادشاہ بھی اللہ سے مانگتا ہے۔
بھائی میں تو بڑا پاگل آدمی ہوں بادشاہ سے مانگنے آگیا میں تو اس سے مانگوں
گا جس سے بادشاہ مانگ رہا ہے، سلام علیکم! آپ لوگ جو توقعات قائم کرتے
ہیں وہ تو مجبور ہیں۔ یہ جتنے بڑے بڑے ساہوکار ، یہ بڑے بڑے فیکٹریوں والے،
مل والے یہ آپ کو نظر آتے ہیں یہ خوش حال ہیں، خوش حال کچھ بھی نہیں
ہوتے۔ یہ جو فیکٹریوں میں جو لیبر ہیں ان کے نوکر ہیں۔ اللہ میاں نے ان کا
دماغ خراب کیا ہوا ہے۔ کہ جی ایک فیکٹری لگانی ہے جس میں تین ہزار بندے
کام کریں گے۔ دوسرا کہے گا میں نے فیکٹری لگانی ہے جس میں پانچ ہزار بندے
کام کریں گے۔ اب وہ سیٹھ صاحب کام چلے، نہ چلے ، بازار سے ادھار ملے نہ ملے
پریشان ادھر سے ادھر، ادھر سے ادھر، کیا ہوا بھائی کہ تنخواہ کے پیسے نہیں
ہیں، تنخواہ کے پیسے نہیں ہیں، فیکٹری بند ہوجائے گی، ہڑتال ہوجائے گی۔ ارے
بھائی پھر کیا ہوگا؟ بے عزتی ہوجائے گی۔ کھانا پینا حرام جب تک وہ تنخواہ کے
پیسے نہیں دے دیں گے انہیں سکون چین نہیں ملتا۔ تو بھائی یہ بتاؤ نوکر سیٹھ
ہوا یا لیبر ہوئی؟ اللہ نے کان میں پکڑ کے اس سے کہا ہاہا ہا ہا تو سیٹھ ہے۔
تیری تین فیکٹریاں ہیں۔ بھئی وہ تین فیکٹری سے کوئی چار پلنگوں پہ تو سوتا
نہیں ہے وہی ایک پلنگ پہ سوتا ہے۔ مزدور کھاتا ہے چار روٹی، سیٹھ صاحب
کھاتے ہیں آدھی روٹی۔ وہ ایک صاحب مجھے اپنا گھر دکھانے لے گئے کلفٹن پہ
بہت بڑا انہوں نے بنگلہ بنایا نیا بنایا ۔ وہ خیر میں چلا گیا۔ تو وہ کھانا لگ گیا۔
اب کھانے میں ان کے پاس ڈونگا وہ چائے کا جو ڈونگا ہوتا ہے نہ، بڑا ڈونگا اس
میں دال آئی۔ بالکل پتلی پانی۔ تو میں یہ سمجھا کوئی یخنی وخنی کوئی چیز
ہوگی۔ تو مجھے بھی برا لگا یہ تو بری بات ہے دسترخوان پہ بیٹھ کے آدمی سب
کے سامنے یخنی پئے کھانا بڑا دیر تو مجھ سے کہنے لگے عظیمی صاحب آپ بھی
لیں گے۔ تو میں نے یہ دیکھنے کے لئے یہ یخنی میں نے کہا ہاں میں بھی لے لوں
گا۔ اس نے جناب ایک پیالی میں آدھی پیالی چائے منگا کے چائے کی پیالی مجھے
بھی دے دی۔ اب میں نے جو وہ پی تو وہ تو بھائی مونگ کی پتلی دال تھی اس
میں نمک نہ مرچ نہ کچھ۔ خیر میں نے کہا بھئی اس کا کیا مطلب ہے ؟ تو کہنے
لگے جی بس میری یہی خوراک ہے۔ آپ یقین کریں صاحب اس بندے نے وہ جو
ہوتا ہے نہ آدھا مگ یا پون مگ وہی پیا۔ اس نے کچھ نہیں کھایا۔ کہنے لگے میں
تو کچھ کھا ہی نہیں سکتا مجھے ڈاکٹر نے منع کیا ہوا ہے۔ مجھے اتنا افسوس ہوا
کہ میں نے ا س بیچارے کی دالوں سے بھی حصہ بٹوا لیا۔ مزدور دال نہیں کھاتا ،
مزدور کا تو حال یہ ہے کہ اگر اس کے گھر میں آٹا ہے وہ مزدوری پہ نہیں نکلتا۔
بیوی کہتی ہے میاں جی وہ اب دکاندار نے منع کردیا ادھار نہیں دے رہا کہ اچھا
اب جاتا ہوں ۔ صحت کا بھی یہی حال ہے ۔ سیٹھ صاحب کی صحت دیکھ لو۔
چلتے ہیں تب ہانپتے ہیں، لیٹتے ہیں تب ہانپتے ہیں۔ نیند انہیں نہیں آتی، گولیاں
کھا کھا کے سوتے ہیں۔ صبح کو آنکھ کھلتی ہے تو جسم ٹوٹا پھوٹا ہوتا ہے۔ بھئی

کیا ہوا کہے جی نیند کی گولیاں کھاکے سوئے تھے تو نیند تو آئی نہیں مصنوعی نیند
تھی۔ یہ اللہ کا ایک نظام ہے۔ اللہ سے جس بندے کا رابطہ اور تعلق قائم ہوجاتا
ہے اس میں کوئی شرط نہیں ہے۔ دولت مند کا بھی اللہ سے رشتہ قائم ہوجاتا
ہے اگر وہ اللہ سے رشتہ قائم کرنا چاہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ کا واقعہ میں
نے پڑھا ، اس کے تاجر تھے کپڑے کے جہاز چلتے تھے ان کے۔ تو منشی نے آکر بتایا
کہ صاحب وہ جہاز جو کپڑے لے کر گیا تھاوہ اطلاع ملی کہ وہ ڈوب گیا۔تو انہوں
نے ایک منٹ کے لئے سوچا اور یہ کہا کہ یا اللہ! تیرا شکر ہے۔ وہ منشی بڑا
حیران ہوا کہ یہ کیا باؤلے ہوگئے کیا اتنا بڑا جہاز ڈوب گیا اللہ کا شکر ادا کررہے
ہیں۔ کچھ عرصہ بعد اطلاع ملی کہ وہ جہاز ابو حنیفہ کا نہیں تھا وہ تو کسی
اور کا تھا ، ابوحنیفہ صاحب کا جو جہاز تھا اس نے تو بہت بڑا منافع کمایا۔ تو اس
نے آکر پھر اطلاع کی خوشی خوشی۔ انہوں نے پھر کہا یا اللہ! تیرا شکر ہے اس نے
منشی نے پوچھا کہ صاحب یہ جو اللہ کا شکر ہے یہ تو میری سمجھ میں آگیا۔
وہ جہاز ڈوبنے والا اللہ کا شکر سمجھ میں نہیں آیا یہ کیا ہے؟ کہنے لگے بھائی
جب تو نے کہا جہاز ڈوب گیا تو میں نے اپنے دل میں دیکھا میرا دل کیا کہتا ہے ۔
تو میرے دل نے کہا کہ بھئی اللہ کا دیا ہوا تھا اللہ نے لے لیا۔ اللہ کا شکر ہے۔
جب تو نے آکر یہ کہا کہ بھئی بہت پرافٹ ہوا پھر میں نے دل کی طرف دیکھا دل
کیا کہتا ہے ، دل نے یہ کہا کہ اللہ نے انعام کیا ہے اللہ کا شکر ہے۔ تو جب
انسان کی اللہ کے ساتھ وابستگی ہوجاتی ہے تو انسان کے اندر قناعت پیدا
ہوجاتی ہے، استغناء پیدا ہوجاتا ہے۔ اللہ سے قربت پیدا ہوجاتی ہے۔ الا بذکر
اللہ تطمئن بالقلوب ... جب بندہ اللہ کا ذکر کرتا ہے اللہ کو یاد کرتا ہے، اللہ کو
اپنے اندر محسوس کرتا ہے اسے اطمینان قلب حاصل ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم
سب کو صراط مستقیم پر قائم رکھے اور ہمیں سیدھے راستے پر ہمیں ہماری
اولادوں کو ہمارے دوستوں کو ، ہمارے ملک کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق
عطا کرے۔ اللہ سے ہمارا رشتہ مضبوط اور مستحکم ہو۔ دیر بہت ہوگئی ہے ۔
پتہ نہیں آپ ابھی نہیں ہوئی دیر؟ چلو ایسا تو نہیں بھئی میں بھی تو بوڑھا آدمی
ہوں میں تو تھکوں گا نہ آپ کو تو آپ آرام سے بیٹھے ہوئے ہیں میں بولا چلا
جارہا ہوں۔ اب یہ تھوڑا سا میرا خیا ل ہے ذکر کرلیں۔ ذکر کے بعد ایک پانچ منٹ
کے لئے مراقبہ کریں گے۔ اس کے بعد دعا ہوگی۔ پھر جیتے بچتے رہے تو اگلے سال
انشاء اللہ پھر ملاقات ہوگی۔

پہلے آپ گیارہ دفعہ یا حیی یا قیوم کا ورد کریں۔ پھر گیارہ دفعہ درود شریف
پڑھیں۔ اس کے بعد میں یا حیی یا قیوم کا ورد کروں گا۔ پہلے مجھے سن لیں۔ دو
دفعہ سنیں۔ تیسری دفعہ میرے ساتھ شامل ہوجائیں۔ ذکر میں اگر ہم آہنگی
ہو، یکساں آواز ہو، اس میں گداز پیدا ہوتا ہے۔ اور جب اللہ کے ذکر میں گداز
پیدا ہوجاتا ہے تو اللہ کے فرشتے آسمانوں سے جوق در جوق اتر کر ذکرکرنے
والوں کے ساتھ ذکر میں شامل ہوجاتے ہیں۔ انشاء اللہ حضور قلندر بابا اولیا کے
روحانی تصرف، سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت اور اللہ تعالیٰ کی

رحمت خاص سے یہ اجتماع ذکر ہمارے لئے مفید رہے گا۔ اللہ کرے اس ذکر کے انوار و تجلیات ہمارے قلوب کو روشن کردے۔ ہماری روح میں بالیدگی پیدا ہو۔ ہماری روح اللہ کے حضور سلام کرنے کے قابل ہوجائے۔ اور اللہ تعالیٰ ہماری چھوٹی بڑی خطاؤں کو معاف کرکے ہمیں آئندہ اپنا فرماں بردار بندہ بننے کی توفیق عطا فرمائے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(ذکر یا حیی یا قیوم)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایک سانس میں تین مرتبہ یا حیی یا قیوم پڑھیں گے۔پہلے مجھے آپ سن لیں پھر میرے ساتھ آپ پڑھیں۔

(ذکر یا حیی یا قیوم، یا حیی یا قیوم، یا حیی یا قیوم)

صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ محمد وسلم

اب ہم مراقبہ کریں گے، مراقبہ سے مراد یہ ہے کہ اپنی تمام توجہ دوسری باتوں سے ہٹاکر ایک نقطہ پر قائم کرنا۔ تمام توجہ ایک نقطے پر قائم کرنے کو مراقبہ کہتے ہیں۔ آپ نقشبندیہ سلسلے سے ہوں، سہروردیہ سلسلے سے ہوں، چشتیہ سلسلے سے ہوں، قادریہ سلسلے سے ہوں، عظیمیہ سلسلے سے ہوں، وہ سب اپنے پیر و مرشد کا تصور کریں۔پیر و مرشد کا تصور سے مراد یہ ہے کہ آنکھیں بند کرکے یہ خیال کریں جو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ روشنیاں ہیں، نور ہے وہ ہمارے اندر منتقل ہورہا ہے۔ اور جو خواتین و حضرات ابھی بیعت نہیں ہیں یعنی ابھی کسی سلسلے میں داخل نہیں ہوئے انہیں چاہئیے کہ وہ آنکھیں بند کرکے یہ تصور کریں کہ آسمان سے ان کے اوپر نیلی روشنیوں کی بارس برس رہی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(مراقبہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(تلاوت سورۃ الاخلاص، تین دفعہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(تلاوت سورۃ الفاتحہ)

(درود ابراہیمی)

سبحنک ربک رب العزت عما یصفون و سلام علیٰ المرسلین والحمد للہ رب العالمین (آمین)

یا رب العالمین جو کچھ ہم نے سنا اس پر ہمیں عمل کرنے کی توفیق عطا فرما۔ یا اللہ ! ہمارے چھوٹے بڑے گناہوں کو معاف فرما۔ یا اللہ آپ ستار العیوب ہیں، غفار الذنوب ہیں، ہماری خطاؤں کو، کوتاہیوں کو، نادانیوں کو یا اللہ آپ اپنے فضل و کرم سے بخش دیجئے۔

★★★★★